© rasailojaraid.com

غرض حضرت مخدوم جہاں گشت کے حالات و سوانح پر ایوب صاحب کی یہ ایک جامع کتاب ہے اور اس ضمن میں جہاں سے بھی ان کو مواد مل سکتا تھا، اسے حاصل کرنے میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

کتاب مجلد ہے، ضخامت ۳۰۴ صفحے اور قیمت مجلد کی سات روپلے اور غیر مجلد کی چھ روپلے

فلسفۂ اسلام

مصنفہ ڈی اولیری ڈی ڈی۔ لیکچرار آرامی و سریانی برسٹل یونیورسٹی

ترجمہ احسان احمد بی۔ اے (علیگ)

ڈاکٹر ڈی اولیری کی اس کتاب کا اردو ترجمہ بہت پہلے حیدرآباد دکن میں چھپا تھا اور وہاں جامعہ عثمانیہ میں یہ داخل نصاب رہا۔ اب چونکہ یہ اردو ترجمہ نایاب تھا اس لئے نفیس اکیڈمی کراچی نے اسے شائع کیا ہے اسلام سے قبل یونانی فلسفہ و حکمت اپنے یونانی ماحول سے جس طرح مشرق قریب میں آباد سریانی زبان بولنے والی قوموں میں پہنچا۔ وہاں سے یہ دنیائے اسلام میں عربی بولنے والوں کے ہاں منتقل ہوا اسے عربی زبان کا قالب ملا۔ اور اس کے مسلمانوں کے علوم و فنون اور نظریات و عقائد پر دوررس اثرات پڑے اور پھر جیسے سسلی اور اندلس کے راستے وہ مغربی یورپ کی لاطینی درس گاہوں میں پہنچا۔ اس نے عیسائی اور یہودی فکر کو متاثر کیا اور اس طرح یورپ میں پاپائی کلیسا کے خلاف ذہنی فضا پیدا کر کے وہاں نشاۃ ثانیہ کے لئے راستہ صاف کیا، جس نے کہ یورپ کے عہد حاضر کو جنم دیا۔ مصنف نے اپنی کتاب میں اس کا جائزہ لیا ہے۔

مصنف نے شروع میں ایک بڑی پتے کی بات کہی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ عام طور سے انگریزی طریق تعلیم میں فلسفہ پر کچھ اس طرح بحث ہوتی ہے کہ فلسفہ کی ابتدا یونان سے ہوئی، اور وہ ارسطو پر آکر ختم ہوگیا۔ پھر کئی صدیوں کے بعد ڈیکارٹ پیدا ہوا اور جدید فلسفہ کی طرح پڑی۔ اس درمیانی وقفے میں بقول مصنف "قدماء کے بعض نالائق و ناخلف ورثاء گزرے ہیں جو اس لائق نہیں کہ ان پر سنجیدگی سے ساتھ غور کیا جائے۔" مصنف اس نقطۂ خیال کی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ زندگی اسباب و نتائج کی ایک مسلسل کڑی ہے۔ اور جو حادثہ رونما ہوتا ہے، اس کی کوئی علت ہوتی ہے۔ جس دور کو ہم قرون وسطیٰ کہتے ہیں، اس کا ہمارے اس زمانے کے ثقافتی ارتقاء میں بڑا اہم حصہ ہے اور وہ بہت کچھ اس ثقافتی ورثے کا مرہون احسان ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو قدیم یونان سے سریانی، عربی اور عبرانی سے اس تک پہنچا۔ قرون وسطیٰ کا یہ دور ظاہر ہے مسلمانوں کا دور ہے۔

کتاب کا پہلا باب "سریانی زبان میں یونانیت کی ترجمانی" ہے اس میں یہودیت اور عیسائیت پر یونانیت کے جو اثرات پڑے، ان کا ذکر ہے اور نوافلاطونیت اور نسطوری عیسائی فرقہ کا بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا باب "عربی دور" ہے اس میں عہد رسالت و خلافت راشدہ، اور عہد اموی کی سیاسی و ذہنی زندگی پر بحث کی گئی ہے مصنف کے نزدیک مدینہ کی زندگی مکہ کی زندگی سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ اور وہاں آرامی و یہودی نوآبادکاروں کے اثرات راسخ تھے اس لئے مسلمانوں کی جماعتی زندگی بآسانی وجود میں آسکی مصنف لکھتا ہے کہ اموی دور ہی میں یونانی اثرات مسلمانوں میں متعدد جہتوں سے سرایت کرنے لگے۔ نیز اسی دور میں ان تمام قوموں نے عربی زبان کو اپنانا شروع کردیا۔ جو اسلام کے زیر نگیں آئی تھیں۔ اس کے بعد دور عباسی آتا ہے۔ جس میں بڑے وسیع پیمانے پر یونانی علوم کے عربی میں تراجم ہوئے۔ اور ان کے نتیجے میں مسلمانوں میں طرح طرح کے فکری تحریکیں اٹھیں۔ اس ضمن میں مصنف معتزلہ اور اصحاب فلسفہ (کندی، فارابی، ابن سینا اور اخوان الصفا اور اسماعیلی اہل فکر) کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ معتزلہ کی تائید اور ان کی مخالفت میں ایک عرصہ دراز تک جو ہنگامہ بحث و مناظرہ گرم رہا اس کی وجہ سے مسلمانوں میں تین رجحان فکر وجود میں آئے۔ ایک فلسفیانہ رجحان جس کے حامل یونانی فلسفے کا براہ راست یونانی زبان میں یا اس کے ترجموں و شرحوں سے مطالعہ کرتے تھے دوسرا رجحان اشعریوں کا تھا جنہوں نے اسلامی الہیات کو یونانی فلسفے سے مطابقت دے لی تھی۔ اور ان میں بعد میں آنے والے معتزلی بھی منضم ہو گئے تھے اور تیسرا رجحان صوفیہ کا تھا۔ جس میں نوافلاطونی عناصر، ہندوستان اور ایران کے دوسرے عناصر سے مخلوط نظر آتے ہیں۔

مصنف کے نزدیک ابن سینا اسلام کی دنیائے مشرق کے بڑے فلسفیوں میں سے آخری ہے اس کے بعد مشرق میں فلسفے کو زوال آگیا۔ اس کی دو وجہیں تھیں، ایک یہ کہ فلسفے کے ساتھ بہت سی شیعی بدعتیں وابستہ ہوگئیں اور راسخ العقیدہ اہل سنت والجماعت نے اسے شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا شروع کردیا، دوسرے دنیائے اسلام کے اس حصے پر ترکی عناصر کو غلبہ حاصل ہوگیا جو کٹر سنی تھے اور ہر اس چیز سے جس کا تعلق شیعوں سے ہوتا یا وہ عقلیت کی طرف مائل ہوتی، نفرت کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود فلسفے نے اسلامی مشرق پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے دو مستقل اثر چھوڑے ہیں۔ ایک علم کلام پر اور دوسرا تصوف پر۔

یوں تو اسلام کے ابتدائی دور میں ہی سادگی، پرہیزگاری، صبر و قناعت اور ایثار و نفس کشی کے وہ اوصاف موجود تھے جنہیں صوفیانہ زندگی کا امتیاز سمجھا جاتا ہے لیکن بقول مصنف کے، تیسری صدی ہجری کے آخری حصے میں جو تصوف وجود میں آتا ہے، وہ ان مثالی مقاصد سے مختلف تھا جن کا اوائل اسلام میں زور رہا تھا۔ اس تصوف کی الٰہیات کا مرکزی فکر نوافلاطونیت تھا، جس کے اثرات اسلام سے پہلے شامیوں اور ایرانیوں پر پڑ چکے تھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شروع کے صوفیہ میں سے اکثر نومسلم ہیں۔ جامی کا بیان ہے کہ جنید ایرانی تھے اور زیادہ تر ایرانیوں ہی کے ذریعہ تصوف کے نظریات نے ترقی کی اور وحدت الوجود کی طرف میلان ہوا، امام غزالی کے ذکر میں مصنف لکھتا ہے کہ اس سے پہلے راسخ العقیدہ اسلام میں تصوف کو بار نہیں ملتا تھا، یہ امام غزالی ہی تھے جن کی بدولت تصوف کو اس میں اپنا مقام حاصل ہوا اور اہل سنت والجماعت میں تصوف کو فروغ ہو سکا۔

علم کلام کے تحت اشعریہ اور ماتریدیہ کا ذکر کرنے کے بعد اس باب میں امام غزالی نے جو دیرپا نقوش چھوڑے ہیں، مصنف نے ان کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن رشد کے برخلاف امام غزالی نے فوق العقلی وجدان پر زور دیا، جس سے انسانی روح اس عالم سے بلند ہو کر حقیقت کو پا لیتی ہے۔ میکڈانلڈ کے الفاظ میں امام غزالی کے یہ چار کارنامے ہیں۔

۱۔ انہوں نے اہل سنت والجماعت میں تصوف کو فروغ دیا

۲۔ فلسفیانہ استدلال کو مقبول عام بنایا۔

۳۔ فلسفے کو الٰہیات کے تابع کیا

۴۔ اس دور میں خوف خدا کے جذبے کو بحال کیا۔ جب کہ وہ تعلیم یافتہ طبقے کے ہاں سے کمزور ہو رہا تھا۔

اس کے بعد مصنف "مغرب" میں — جو اس وقت عبارت تھا تیونس سے لے کر اسپین تک کی اسلامی دنیا سے — فلسفے کے فروغ سے بحث کرتا ہے۔ اس ضمن میں ابن باجہ، ابن طفیل، اور ابن رشد، نیز بعض یہودی فلسفیوں کا جو عربی میں لکھتے تھے۔ ذکر آتا ہے۔ اور ابن رشد کو جس طرح یورپ میں قبولیت عامہ حاصل ہوتی ہے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مصنف کے نزدیک اندلسی مسلمان سخت قسم کے قدامت پسند تھے اور بنو عباس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور میں اِدھر مشرق میں جس قسم کی آزاد خیالی کا دور دورہ تھا، اس کو یقیناً وہ ناپسند کرتے تھے۔ انہیں صرف تفسیر، حدیث اور فقہ کے مطالعے سے دلچسپی تھی۔ ان کی اس قدامت پسندی کی ایک نمائندہ مثال ابن حزم ہے جو اندلس کا پہلا مشہور عالم الہیات اور فقیہہ ہے۔ اس نے نہ صرف اہل سنت کے چاروں فقہی مذاہب کو ماننے سے انکار کر دیا، بلکہ وہ ابن حنبل تک کے سخت نظام کا ہم خیال نہ تھا۔ کیونکہ اس کی رائے میں یہ کافی حد تک سخت نہ تھا۔ اہل اندلس کی اس قدامت پسندی کے باوجود ان کے ہاں ابن رشد جیسے فلسفی کا پیدا ہونا، جو مسلمانوں کا سب سے بڑا فلسفی سمجھا جاتا تھا۔ واقعی عجیب ہے۔

ابن رشد (۵۳۰ھ - ۵۹۵ھ) علوم فلسفہ میں بہرہ وافر رکھنے کے ساتھ ساتھ قاضی اور طبیب بھی تھا۔ بقول مصنف کے اس کا دعویٰ یہ ہے کہ فلسفہ مذہباً جائز و مستحسن ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں انسانوں کو حقیقت کی جستجو کا حکم دیا گیا ہے۔ جہلا جو آزادی فکر سے ڈرتے ہیں، تو یہ ان کا محض تعصب ہے، جن لوگوں کا علم ناقص ہے انہیں فلسفے کے حقائق مذہب کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ مصنف کے نزدیک ابن رشد عوام کے عقائد کو تسلیم نہیں کرتا، مگر وہ انہیں مبنی بر حکمت سمجھتا ہے۔ کیونکہ یہ عقائد لوگوں کو اخلاق سکھاتے اور ان میں تقویٰ اور نیکی پیدا کرتے ہیں۔ ارسطو کو وہ انسانوں کے لئے خدا کا سب سے بڑا الہام مانتا ہے اور اسے مذہب سے متفق سمجھتا ہے عوام کو مذہب کا جو علم ہوتا ہے، اس میں صرف جزوی طور پر حقیقت پائی جاتی ہے۔ لیکن یہ مذہب اکثریت کی عملی اغراض پورا کرتا ہے۔ مذہب میں جو عمیق تر حقائق ہیں ان کا عوام پر ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

مختصراً یہ ہے کتاب کے جملہ مطالب کا ایک اجمالی خلاصہ۔ کتاب کا مصنف ایک انگریز ہے اور یورپ کے عام مستشرقین کی طرح اس نے بھی دین اسلام، اسلام کی مشہور شخصیات اور تاریخ اسلام کے احوال و واقعات اور اس کی مختلف سیاسی، فکری و مذہبی تحریکوں کے بارے میں اسی قسم کے جانبدارانہ اور مخالفانہ آراء کا اظہار کیا ہے، جو ایک عرصہ دراز سے ان کا معمول رہا ہے، لیکن اس سے قطع نظر مصنف نے اس کتاب میں اپنے پیش نظر موضوع پر بہت کافی، نہایت مفید اور پُر از معلومات مواد جمع کر دیا ہے۔

اس کے بعد سوال آتا ہے۔ کتاب کے اردو ترجمے کا۔ بڑے افسوس سے یہ لکھنا پڑتا ہے کہ ترجمہ حد سے زیادہ ناقص ہے۔ زبان و اسلوبِ بیان اور جملوں کی ترتیب و ترکیب کے لحاظ سے بھی اور کتاب کے اصل مطالب کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح اور واضح طرح ادا نہ کرسکنے کے اعتبار سے بھی۔ چونکہ اصل کتاب سامنے نہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ترجمہ کس حد تک اصل مطابق ہے۔ لیکن اردو ترجمہ پڑھ کر مصنف کا مقصود و مفہوم پانا کافی دقت طلب ہے۔

باقی مترجم نے اشخاص، مقامات اور اسماء میں جو غلطیاں کی ہیں وہ بھی کافی زیادہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ترجمہ بہت زیادہ روا روی میں کیا گیا تھا۔ اور نئے ناشر نے بھی اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ ترجمے کی نظر ثانی کرا لیتے۔

ترجمے میں زبان و اسلوب بیان کی خامیاں کتاب کی پہلی سطر سے شروع ہوتی ہیں اور آخر تک چلی جاتی ہیں اس لئے ان کی نشان دہی کرنا ناممکن ہے۔ البتہ ناموں کے لکھنے میں جو غلطیاں کی گئی ہیں، ان میں سے چند ایک یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

(صفحہ ۱۳۔ "ایک اور مدرسہ نس بس یا جدید نیبین"۔ صفحہ ۲۶۔ کچھ عرصہ پہلے نس بس کا مدرسہ (اگلی سطر میں) شہر نس بس۔ صحیح نام "نصیبین" ہے جو شمالی عراق میں تھا

صفحہ ۵۸۔ حمیری عربوں کے ایک قبیلے نے جس کا نام قدا تھا۔ صحیح نام قضاعہ ہے (دیکھئے ارض القرآن جلد دوم ص۸) اسی صفحے پر اس قبیلے کی جگہ صالح نے لی۔ صحیح سلیح ہے۔ (دیکھئے ارض القرآن جلد دوم ص۸۱۔

صفحہ ۷۹۔ معبد الیوحنی۔ صحیح معبد الجہنی ہے۔

صفحہ ۸۷۔ عبدو بن صبا۔ اسی صفحے پر ابن صبا۔ صحیح عبداللہ بن سباء ہے۔

اسلوب بیان ملاحظہ ہو۔ اسلام میں راسخ العقیدہ مدرسیت یا علم کلام کی تحریک ایسے نشو و نما کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری۔۔۔۔ میں پھیلا ہوا ہے۔ اور اس کے تین طبقے ہیں۔ یعنی اشعری، باقلانی اور غزالی۔ اس قسم کا نشو و نما دراصل اسلام کی داخلی تاریخ اور اسلامی الہیات کے ارتقاء سے متعلق ہے۔

صفحہ ۷۰ میں ہے۔ داخلی اعتبار سے دونوں کی معاشری بافت

صفحہ ۹۲۔ عرب دل سے ارتیابی اور مادیتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ ۸۷۔ خود کو متنفر ضرور محسوس کرتے تھے۔

اصل کتاب ظاہر ہے اچھی خاصی ہے اور اس میں کافی کام کی باتیں بھی ہیں۔ لیکن اس ترجمے نے اسے اس قابل نہیں رہنے دیا کہ اس کا ایک سنجیدہ علمی کتاب کی حیثیت سے مطالعہ کیا جاسکے۔

کتاب مجلد ہے۔ بڑے صفحے کے ۲۴۸ صفحے اور قیمت ۷۵ - ۶ روپے

ملنے کا پتہ:۔ نفیس اکیڈمی، بلاسس اسٹریٹ، کراچی ۱

مخزن الولایت

(اردو ترجمہ)

ملفوظات حضرت شاہ خادم صفی محمدی صفی پوری المتوفی ۱۲۸۷ھ

یہ ملفوظات جناب منشی محمد ولایت علی عزیز صفی پوریؒ نے مرتب فرمائے اور ان کا ترجمہ محمد خصلت حسین صابری ڈپٹی انسپکٹر مدارس پنشنر نے کیا پاک اکیڈمی ۱/۱۳۱ وحید آباد، گولی مار کراچی ۱۸ نے انہیں شائع کیا ہے، کتاب مجلد ہے۔ صفحات ۲۰۸۔ اور قیمت تین روپے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ حضرت چراغ دہلی متوفی ۷۵۷ھ کے ایک مرید مخدوم شیخ قوام الدین دہلی سے لکھنؤ (اودھ) تشریف لائے۔ اور اس طرح ان دیار میں نظامیہ چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل پڑی۔ ان کے برادر عزیز شیخ قطب الدین بھی دہلی سے لکھنؤ آئے، آخر الذکر کے صلب سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس سے یہ سلسلہ آگے چلا، اور اس سے بڑے بڑے نامور صوفیاء منسلک ہوئے ان میں مخدوم شاہ صفی المتوفی ۹۴۵ھ بڑے مشہور تھے۔ حضرت خادم صفی کے آبا و اجداد مخدوم شاہ صفی کی درگاہ میں خدمت گزار تھے۔ آپ ۱۲۲۵ھ کو پیدا ہوئے۔ ساری عمر ریاضتوں میں گزری اور بڑی سختی سے شریعت کے پابند رہے آپ کا انتقال ۱۲۸۷ھ میں ہوا اصل ملفوظات فارسی میں تھے۔ اور زیر نظر کتاب اردو ترجمہ ہے۔

حضرت خادم صفی کے ان ملفوظات کے مرتب حضرت عزیز صفی پوری بڑے متبحر عالم اور باکمال شاعر تھے! ان کو مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ آپ کی کوئی چالیس بیالیس تصانیف ہیں۔

کتاب کے شروع میں صاحب ملفوظات کے مختصر سوانح حیات ہیں۔ اس کے بعد آپ کے ارشادات ہیں حضرت شاہ خادم صفی محمدی باوجود شریعت کی سختی سے پابندی کرنے کے صلح کل بزرگ تھے۔ ان کا ایک ارشاد

© rasailojaraid.com